OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Epistemology: Vol.15, Issue 16 Dec 2024

تفسیر تفہیم القرآن {قرآنی تفسیر} اور تفسیر الکتاب {بائبلی تفسیر} میں کلامی مباحث کا تقابلی اور تجزیاتی مطالعہ

A Comparative and Analytical Study of the Theological Discourses in Tafsir Tafhim-ul-Quran {Qur'anic Tafsir} and Tafsir al-Kitab(urdu translation of believer's Bible commentary) {Biblical Tafsir}

Benish Haseeb
P.H.D scholar, Department of Islamic studies ,U.E.T Lahore.

Azhar Husain
Graduate of Jamia Ashrafia, Lahore; Lecturer , International House of Education, Sialkot

Robin John
Director, Christian T.V channel serosh T.V.

Abstract: This research explores the theological discourses present in two major religious commentaries: Tafhim-ul-Quran by Syed Abul A'la Maududi (Qur'anic exegesis) and Believer's Bible Commentary by William MacDonald (Biblical exegesis in Urdu translation titled Tafsir al-Kitab). The study aims to conduct a comparative and analytical investigation into how each tradition addresses key theological themes such as the concept of God, prophethood, salvation, trinity, crucifixion, and eschatology. It highlights how Islamic exegesis, rooted in Tawheed (monotheism) and the finality of Prophethood, provides consistent theological interpretations based on Quran and Hadith, while Biblical interpretations—particularly in modern Protestant commentary—often demonstrate theological ambiguities and contradictions, especially concerning the divinity of Christ and the doctrine of atonement. By examining the theological methodologies, scriptural references, and

CC BY

philosophical underpinnings in both works, the research illustrates the strengths of Qur'anic theology in preserving doctrinal coherence and critiques the interpretive liberties taken in modern Biblical exegesis. This study contributes to interfaith understanding and highlights the need for intellectual honesty and historical-critical analysis in comparative theology.

Keywords:
Tafsir Tafhim-ul-Quran, Moudoudi, William MacDonald, Believer's bible commentary, trinity, final prophet, God, atonement, Angels, concept of akhirat

مختلف مذاہب میں الہامی متون کی تعبیر و تشریح کا منہج نہ صرف فکری و دینی اختلافات کو ظاہر کرتا ہے بلکہ یہ انسانی عقل و وجدان کے دائرہ فہم میں مذہبی حقائق کو سمجھنے کی ایک سعی بھی ہے۔ تفسیر قرآنی کا مقصد قرآن مجید کے الفاظ و معانی کو واضح کرنا اور اس کے احکام و حکمتوں کو سمجھنا ہے، تاکہ انسانی زندگی کو الوہی رہنمائی کے مطابق ڈھالا جاسکے۔ اس علم میں قرآن کے الفاظ کے لغوی و نحوی پہلوؤں سے لے کر ناسخ و منسوخ، شانِ نزول، اور مجمل آیات کی تفصیل تک ہر چیز شامل ہے۔ یہی علم مسلمانوں کے فکری و دینی نظام کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ دوسری طرف بائبلی تفسیر کا تعلق مسیحی و یہودی متون سے ہے، جس میں "مدراش" اور "ہرمینیوٹکس" جیسے اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ بائبلی تفسیر کا مقصد عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی تحریروں کو سمجھنا، ان کے پس منظر، روحانی مفہوم، اور خدا کے پیغام کو انسانی فہم کے مطابق بیان کرنا ہے۔ یوں دونوں الہامی مذاہب کی تفسیری روایات اپنے اپنے عقائد و تصورات کے مطابق مذہبی متون کو واضح کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

علم الکلام کی بنیاد دراصل مذہبی عقائد کے دفاع اور ان کی عقلی تشریح پر ہے۔ اسلام میں علم الکلام کا مقصد مذہبی عقائد کو عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ ثابت کرنا، اور مخالف افکار و مذاہب کے اعتراضات کا مدلل جواب دینا ہے۔ یہی منہج بعد میں تفسیری ادب میں بھی داخل ہوا، جس کے نتیجے میں کلامی تفسیر وجود میں آئی۔ کلامی تفسیر وہ طرزِ تفسیر ہے جس میں مفسر قرآن کے بیان کردہ عقائد کو عقل، منطق، فلسفہ اور نقلی استدلال کے امتزاج سے بیان کرتا ہے، اور مخالف مذہبی تصورات کا رد کرتا ہے۔ اس منہج کا مقصد محض عقیدہ بیان کرنا نہیں بلکہ اس کے فکری و منطقی پہلوؤں کو بھی واضح کرنا ہے۔ امام رازی کی مفاتیح الغیب، بیضاوی، روح المعانی، تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن جیسی تفاسیر اسی طرز کی نمائندہ ہیں۔ اس منہج میں قرآن کی

آیات کو ان کے عقائدی مضامین کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تاکہ اسلام کے نظریۂ توحید، نبوت، آخرت اور عدلِ الٰہی کی سچائی کو مدلل طور پر ثابت کیا جاسکے۔

تفسیر الکتاب (Believer's Bible Commentary) اور تفہیم القرآن دونوں تفاسیر اپنے اپنے مذہبی نظامِ فکر کی نمائندہ ہیں۔ تفسیر الکتاب کے مصنف ولیم میکڈونلڈ ایک معروف مسیحی مفکر اور پلائی ماؤتھ برادرن تھیالوجی کے علمبردار تھے۔ ان کی تفسیر کا بنیادی مقصد عام مسیحی قاری کو بائبل کی فہم وتدبر کی طرف راغب کرنا اور اس کے روحانی واخلاقی پہلوؤں کی وضاحت کرنا ہے۔ یہ تفسیر محض علمی نہیں بلکہ اصلاحی ور وحانی رنگ بھی رکھتی ہے۔ اس میں عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی کتابوں کی تشریحات کو نہایت سادہ اور مربوط انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن ایک ایسی قرآنی تفسیر ہے جو عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے لکھی گئی، تاکہ وہ براہِ راست قرآن سے ہدایت حاصل کر سکیں۔ مودودی نے عربی عبارتوں کا مفہوم اردو زبان میں نہایت جامع اور دل نشین انداز میں منتقل کیا۔ ان کی تفسیر کا اسلوب عقلی وفکری وضاحت پر مبنی ہے، جس میں قرآنی تعلیمات کے عملی، اخلاقی، اور سماجی اثرات کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

یہ تحقیقی مطالعہ ان دونوں تفاسیر کے مابین تقابلی و تجزیاتی زاویے سے کیا گیا ہے۔ سابقہ تحقیقات میں اگرچہ قرآن و بائبل کے عقائد مثلاً تثلیث، الوہیتِ مسیح، توحید، یا عصمتِ انبیاء پر متعدد مقالے لکھے گئے، تاہم تفسیر تفہیم القرآن اور تفسیر الکتاب کے درمیان کلامی مباحث کا منہجی تقابل ابھی تک نہیں ہوا۔ یہی وہ تحقیقی خلا ہے جسے یہ مطالعہ پُر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تحقیق میں توحید و تثلیث، رسالت و خاتم النبیین، کفارہ، نجات، ملائکہ وشیاطین، اور آخرت کے تصورات جیسے موضوعات کو موضوعاتی و تقابلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ دونوں مفسرین کے منہجِ استدلال، نقلی و عقلی دلائل، اور فلسفیانہ اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلامی اور مسیحی تفسیری مناہج میں عقلی وایمانی توازن کس طرح برقرار رکھا گیا ہے۔ تحقیق میں تقابلی، تجزیاتی اور موضوعاتی منہج اختیار کرتے ہوئے اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ دونوں تفاسیر کے کلامی مباحث اپنے اپنے مذہبی و فکری پس منظر کی کس حد تک عکاسی کرتے ہیں اور یہ مطالعہ کس طرح عصرِ حاضر میں بین المذاہب مکالمے اور دینی فہم کے فروغ میں مددگار ہو سکتا ہے۔

عقیدہ خدا اور مفسرین قرآن و بائبل

عقیدۂ خدا تمام الہامی مذاہب کا بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہے، جو کائنات کی تخلیق، اس کے نظم و نسق اور مخلوقات پر حاکمیت کے فہم کو متعین کرتا ہے۔ قرآن و بائبل دونوں میں خدا کی ذات کو خالقِ حقیقی، قادرِ مطلق اور صفاتِ کمال سے متصف قرار دیا گیا ہے، تاہم دونوں مذاہب میں اس کی صفات اور افعال کی تعبیرات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ مفسرینِ قرآن و بائبل نے اپنے اپنے مذہبی متون کی روشنی میں نہ صرف خدا کی صفات کو بیان کیا بلکہ تخلیقِ کائنات، آرامِ خدا، لقائے الٰہی، الوہیتِ مسیح اور ابدیتِ مسیح جیسے موضوعات پر تفسیری و کلامی تشریحات پیش کیں۔ یہ اختلافات اور مماثلتیں ایک ایسے تقابلی مطالعے کی راہ ہموار کرتی ہیں، جس سے دونوں مذاہب کے الٰہی تصور اور اس کے اثرات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

خدا کا آرام

الہامی کتب میں تخلیقِ کائنات کے واقعات نہایت اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ ان کے ذریعے نہ صرف کائنات کے آغاز کا تصور واضح ہوتا ہے بلکہ خالقِ حقیقی کی صفات اور قدرتِ کاملہ کا بھی بیان ملتا ہے۔ بائبل کی کتاب "پیدائش" میں تخلیق کے ایام اور اس کے بعد خدا کے "آرام" کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مسیحی مفسرین اس بیان کو تخلیق کے اختتام پر خدائی اطمینان اور کائناتی نظام کے مکمل ہونے کا استعارہ سمجھتے ہیں، اور اسے ہفتہ وار آرام (سبت) کے اصول کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ بائبل میں ہے کہ:

> "اور خُدا نے اپنے کام کو جِسے وہ کرتا تھا ساتویں دِن ختم کیا اور اپنے سارے کام سے جِسے وہ کر رہا تھا۔"[1]

ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں:

> خدا نے اپنے تخلیقی کام سے فراغت کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ اِس آرام کا تھکاوٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ کام کو احسن طریقے سے مکمل کرنے کے اِطمینان کا آرام ہے۔ گو خدا نے اُس وقت اِنسان کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ سبت کو منائے البتہ اُس نے سات دِنوں میں ایک دن آرام کرنے کے اصول کو قائم کیا۔[2]

اس تصور کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی جسمانی یا ذہنی کمزوری سے پاک قرار دی گئی ہے، اور اس کی تخلیقی قدرت میں کسی قسم کے آرام یا تھکن کا کوئی تصور موجود نہیں۔ یہی بنیادی عقیدہ اسلامی علمِ کلام میں بارہا بیان ہوا ہے تاکہ خالق کی شان میں کسی انسانی صفت یا کمزوری کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ جیسا کہ آیت الکرسی کی تفسیر میں مولانا مودودی اس باطل نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> یہ ان لوگوں کے خیالات کی تردید ہے، جو خداوند عالم کی ہستی کو اپنی ناقص ہستیوں پر قیاس کرتے ہیں اور اس کی طرف وہ کمزوریاں منسوب کرتے ہیں، جو انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً بائبل کا یہ بیان کہ خدا نے چھ دن میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔[3]

اس تقابلی جائزے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مسیحی نقطۂ نظر میں تخلیق کے بعد خدا کا آرام ایک علامتی اور اطمینان بخش کیفیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جبکہ اسلامی نقطۂ نظر میں اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی جسمانی یا ذہنی کمزوری سے منزہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کے مطابق خالق کائنات کو نہ تھکن لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی آرام کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یوں دونوں مذاہب کے بیانات میں خدا کی صفات کے تصور میں بنیادی فرق نمایاں ہے۔

دیدار خداوندی

مسیحی الٰہیات میں دیدارِ خداوندی کو Beatific Vision کہا جاتا ہے، جس سے مراد آخرت میں نجات پانے والے ایمانداروں کا خدا کے ساتھ براہِ راست، رُوبرُو اور بے حجاب ملاقات کرنا ہے۔ یہ عقیدہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ جنت کی سب سے بڑی اور کامل خوشی خدا کا دیدار ہی ہے، جو انسان کی ابدی تسکین اور مکاشفے کی انتہا ہے۔ جس کی بنیاد بائبل کے مختلف مقامات فراہم کرتے ہیں، انہیں میں سے ایک مقام پر حضرت ایوب کے اقوال نقل کر کے کہا گیا ہے کہ

> اور اپنی کھال کے اِس طرح برباد ہو جانے کے بعد بھی میں اپنے اِس جسم میں سے خدا کو دیکھونگا۔ جس سے میں خود دیکھونگا اور میری ہی آنکھیں دیکھینگی نہ کہ بیگانہ کی۔ میرے گردے میرے اندر فنا ہو گئے ہیں۔[4]

ولیم میکڈونلڈ Believer's Bible Commentary میں اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ایوب کے الفاظ قیامتِ اجساد (Resurrection of the Body) اور ایماندار کی آخری

امید کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس کے نزدیک یہ بیان نہ صرف شخصی نجات کے یقین کو ظاہر کرتا ہے بلکہ ایماندار کے لیے آخرت میں خدا کے ساتھ براہِ راست ملاقات کا وعدہ بھی ہے۔ میکڈونلڈ اس عقیدے کو مسیحی ایماندار کی ابدی خوشی اور ایمان کا بنیادی جزو قرار دیتا ہے، جہاں جسمانی قیامت اور دیدارِ خداوندی یکجا ہو کر نجات کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔[5]

اسلام کے مطابق بھی کوئی آنکھ دنیا میں اللہ تعالی کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قیامت کے دن اللہ تعالی نیکوں کو اپنا دیدار نصیب کرے گا۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘-وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘-وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ(103) [6]

آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہی ہر باریک چیز کو جاننے والا، بڑا خبر دار ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا. [7]

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) بات کرے مگر ہاں (اس کی تین صورتیں ہیں یاتو) وحی (کے ذریعے) یا پردے کے پیچھے سے یا (اللہ) کسی فرشتے کو بھیج دے۔

مولانا مودودی کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سے یہ نکات نکلتے ہیں:

اللہ تعالیٰ براہِ راست کسی بشر سے کلام نہیں کرتا بلکہ اپنی وحی مختلف وسائط کے ذریعے پہنچاتا ہے:

القائے قلبی یا خواب (جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ کو دکھایا گیا)۔

پردے کے پیچھے سے آواز (جیسے حضرت موسیٰؑ کو طور پر درخت کے پیچھے سے آواز سنائی دی)۔

فرشتے کے ذریعے براہِ راست وحی (جیسے جبرائیلؑ نازل ہو کر کلام پہنچاتے ہیں)۔

وہ اس بات کو بالکل رد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار یا براہِ راست روبرو ملاقات دنیا میں ممکن ہے، کیونکہ اللہ "بہت بالا و برتر" ہے اور کسی بشر سے رودررو کلام کرنے سے منزّہ ہے۔

مولانا مودودی کے نزدیک اللہ کے ساتھ براہِ راست مکالمہ یا دیدار دنیا میں نہیں ہوتا، بلکہ وحی ہمیشہ خفیہ، غیرِ مستقیم اور واسطے کے ساتھ پہنچتی ہے۔[8]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولانا مودودی اسلامی تنزیہ کے اصول پر قائم رہتے ہوئے دیدارِ الٰہی کو آخرت میں ممکن مانتے ہیں، لیکن دنیا میں اس کا انکار کرتے ہیں، اور قرآن کے بیان کردہ تین طریقوں کے علاوہ کسی اور شکل کو قبول نہیں کرتے۔

خوف الٰہی

مسیحیت میں Fear of the Lord کا مطلب ہے خدا کی عظمت اور پاکیزگی کے آگے گہرا احترام، شکر گزاری، اور گناہ سے بچنے کا جذبہ ہے۔

امثال کی کتاب میں ہے:

"خداوند کا خوف حکمت کا آغاز ہے۔"[9]

اسی طرح متی کی انجیل میں بھی ہے

"ان سے نہ ڈرو جو بدن کو قتل کرتے ہیں مگر جان کو قتل نہیں کر سکتے؛ بلکہ اس سے ڈرو جو جان اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔"[10]

ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں:

شاگردوں کو اِنسانوں سے نہیں ڈرنا چاہئے بلکہ اُن کے دِلوں میں اُس ہستی کے لئے عقیدت بھرا ڈر ہونا چاہئے ‹‹جو رُوح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔›› یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ خُدا اور مسیح اور اُمید سے ابدی جدائی ___ روحانی موت وُہ نقصان ہے جِس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، جِس کو ناپا تولا نہیں جا سکتا۔ اِس حشر اور انجام سے ہر قیمت پر بچنا چاہئے۔ آیت ۲۸ میں یسوؔع کے الفاظ سے خُدا ترس جان ناکس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اُس کی لوحِ مزار پر یہ الفاظ رقم ہیں کہ ‹‹یہاں وُہ شخص پڑا ہے جو خُدا سے اِتنا ڈرتا تھا کہ کسی اِنسان کے چہرے سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتا تھا۔››[11]

اسلام میں خوفِ الٰہی (خشیت) کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور عدل کے آگے عاجزی اختیار کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔ یہ خوف محض دہشت نہیں بلکہ محبت، تعظیم اور جواب دہی کے شعور کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ فاطر میں ہے:

"اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔"[12]

مولانا مودودی اس فلسفے کے متعلق کہتے ہیں:

> جو شخص اللہ کی صفات سے جتنا زیادہ ناواقف ہو گا وہ اس سے اتنا ہی بے خوف ہو گا اور اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کے علم، اس کی حکمت، اس کی قہاری اور جباری، اس کی دوسری صفات کی جتنی معرفت حاصل ہو گی اتنا ہی وہ اس کی نافرمانی سے خوف کھائے گا۔ پس در حقیقت اس آیت میں علم سے مراد فلسفہ و سائنس اور تاریخ و ریاضی وغیرہ درسی علوم نہیں ہیں، بلکہ صفات الٰہی کا علم ہے، قطع نظر اس سے کہ آدمی خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ جو شخص خدا سے بے خوف ہے وہ علامہ دہر بھی ہو تو اس علم کے لحاظ سے جاہل محض ہے۔ اور جو شخص خدا کی صفات کو جانتا ہے اور اس کی خشیت اپنے دل میں رکھتا ہے وہ ان پڑھ بھی ہو تو ذی علم ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ اس آیت میں لفظ "علماء" سے وہ اصطلاحی علماء بھی مراد نہیں ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کا علم رکھنے کی بنا پر علمائے دین کہے جاتے ہیں۔ وہ اس آیت کے مصداق صرف اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ان کے اندر خدا ترسی موجود ہو۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمائی ہے ۔"علم کثرت حدیث کی بنا پر نہیں ہے بلکہ خوف خدا کی کثرت کے لحاظ سے ہے۔" اور یہی بات حضرت حسن بصریؒ نے فرمائی ہے کہ عالم وہ ہے جو اللہ سے بے دیکھے ڈرے، جو کچھ اللہ کو پسند ہے اس کی طرف وہ راغب ہو، اور جس چیز سے اللہ ناراض ہے اس سے وہ کوئی دلچسپی نہ رکھے۔[13]

اللہ کے مثل ہونا

اللہ تعالیٰ کی ذات کامل، بے مثال اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس لیے کسی مخلوق یا شے کی مثال دے کر اس کا تصور پیش کرنا نہ صرف عقل و فطرت کے خلاف ہے بلکہ الوہی تعلیمات کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ بائبل میں بھی یہ اصول ملتا ہے۔یسعیاہ ۴۰: ۱۸۔۲۶ کی تفسیر میں ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں:

> اِنسان کی بنائی ہوئی کون سی مورت ایسے عظیم اور قادر خدا کو دِکھا سکتی ہے؟ امیر آدمی اپنے لئے قیمتی دھاتوں سے اور غریب آدمی لکڑی سے بت بناتا ہے۔ قطعی مضحکہ خیز! کیا اُنہوں نے یہوواہ کی ذات

اور قدرت اور عظمت کے بارے میں نہیں سنا یا نہیں سمجھے ؟ کون سی مورت یا کون سا بت اُس خدا کی قدرت کی عظمت کا آئینہ دار ہو سکتا ہے جس نے ستارے بنائے ؟ جب وہ اُنہیں رات کو نکلنے کا حکم دیتا ہے تو ایک بھی غیر حاضر نہیں رہتا۔[14]

قرآن مجید واضح اعلان کرتا ہے کہ

"اس جیسی کوئی چیز نہیں"[15]

سورہ شوری کی تفسیر میں مولانا مودودی کہتے ہیں:

اصل الفاظ ہیں لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ "کوئی چیز اس کے مانند جیسی نہیں ہے" مفسرین اور اہل لغت میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس میں لفظ مثل پر کاف (حرف تشبیہ) کا اضافہ محاورے کے طور پر کیا گیا ہے جس سے مقصود محض بات میں زور پیدا کرنا ہوتا ہے، اور عرب میں یہ طرز بیان رائج ہے۔ مثلاً شاعر کہتا ہے وقتلیٰ کمثل جذوع النخل۔ اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ما ان کمثلھم فی الناس من احد۔ بعض دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں کہنے کے بجائے اس کے مثل جیسا کوئی نہیں کہنے میں مبالغہ ہے، مراد یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ کا کوئی مثل ہوتا تو اس جیسا بھی کوئی نہ ہوتا، کجا کہ خود اللہ جیسا کوئی ہو۔[16]

تثلیث اور عقیدہ الوہیت مسیح

عقیدۂ تثلیث (Trinity) مسیحی عقائد میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مطابق خدا ایک ہی ہے لیکن اس کی ذات میں تین اقانیم (Persons) یا مظاہر پائے جاتے ہیں:

خدا باپ – (God the Father) تخلیق کا سرچشمہ اور کائنات کا حاکم۔

خدا بیٹا – (God the Son – Jesus Christ) الوہیت میں برابر، لیکن جسمانی صورت میں مجسم ہو کر دنیا میں آنے والا نجات دہندہ۔

روح القدس – (Holy Spirit) خدا کی روح، جو الہام، ہدایت اور روحانی قوت کا ذریعہ ہے۔

عیسائی الہیات کے مطابق، یہ تینوں اقانیم علیحدہ شخصیات رکھتے ہیں لیکن ان کی ماہیت (Essence) ایک ہی ہے، اور وہ ابدی و غیر مخلوق ہیں۔ یہ تصور ابتدائی مسیحی کلیسیا کے مذہبی اور فلسفیانہ مباحث کے نتیجے میں چوتھی صدی عیسوی میں رسمی عقیدے کی حیثیت اختیار کر گیا، خاص طور پر "نیقیہ کونسل– Council of Nicaea) " (325 CE) میں اس کی توثیق ہوئی۔

عیسائی مفسرین ان عقائد کو بائبل کی مختلف کتابوں سے مستنبط کرتے ہیں اور انہیں مسیح کی ازلیت، الوہیت اور تخلیقی شراکت کے دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بائبل کے مطابق، مسیح نہ صرف خدا کے ساتھ تھے بلکہ خود خدا تھے، اور ان کے بغیر کوئی چیز پیدا نہ ہوئی۔ اس عقیدے میں مسیح کو زندگی اور نور کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے جو انسان کو ہدایت اور نجات فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ ولیم میکڈونلڈ یوحنا 1:1 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "کلام" یعنی یسوع مسیح ازل سے موجود ہے، اس کا کوئی آغاز نہیں، وہ نہ مخلوق ہے نہ پیدا کیا گیا بلکہ خود خدا ہے۔ بائبل کے مطابق خدا کی ذات ایک ہے مگر اس میں تین اقانیم ہیں—— باپ، بیٹا اور روح القدس—— اور یہ تینوں خدا ہیں۔ یسوع مسیح خدا کے ساتھ بھی تھا اور خود خدا بھی ہے۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں، وہ خالق ہے، مخلوق نہیں۔ اُس میں زندگی ہے اور وہی زندگی انسانوں کے لیے نور ہے، جو انہیں ہدایت اور راہنمائی فراہم کرتی ہے تا کہ وہ اپنی زندگی کو درست راہ پر گزار سکیں۔[17]

اس کے برعکس اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر رسول اور بندہ تھے، اور الوہیت کا تصور ان کی حقیقی سیرت اور قرآن کے بیان سے متصادم ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس عقیدے کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ

> ان چند لفظوں میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی ایسی صاف تردید کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ صفائی ممکن نہیں ہے۔ مسیح کے بارے میں اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ فی الحقیقت وہ کیا تھا تو ان علامات سے بالکل غیر مشتبہ طور پر معلوم کر سکتا ہے کہ وہ محض ایک انسان تھا۔ ظاہر ہے کہ جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا، جس کا شجرہ نسب تک موجود ہے، جو انسانی جسم رکھتا تھا، جو ان تمام

حدود سے محدود اور ان تمام قیود سے مقید اور ان تمام صفات سے متصف تھا جو انسان کے لیے مخصوص ہیں، جو سوتا تھا، کھاتا تھا، گرمی اور سردی محسوس کرتا تھا، حتیٰ کہ جسے شیطان کے ذریعہ سے آزمائش میں بھی ڈالا گیا، اس کے متعلق کون معقول انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ خود خدا ہے یا خدائی میں خدا کا شریک و سہیم ہے۔ لیکن یہ انسانی ذہن کی ضلالت پذیری کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ عیسائی خود اپنی مذہبی کتابوں میں مسیح کی زندگی کو صریحاً ایک انسانی زندگی پاتے ہیں اور پھر بھی اسے خدائی سے متصف قرار دینے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس تاریخی مسیح کے قائل ہی نہیں ہیں جو عالم واقعہ میں ظاہر ہوا تھا، بلکہ انھوں نے خود اپنے وہم و گمان سے ایک خیالی مسیح تصنیف کر کے اسے خدا بنالیا ہے۔[18]

سورہ نساء کی آیت 171 کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ عیسائی بیک وقت توحید کو بھی مانتے ہیں اور تثلیث کو بھی۔ مسیح (علیہ السلام) کے صریح اقوال جو اناجیل میں ملتے ہیں ان کی بنا پر کوئی عیسائی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا بس ایک ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ ان کے لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ توحید اصل دین ہے۔ مگر وہ جو ایک غلط فہمی ابتداء میں ان کو پیش آگئی تھی کہ کلام اللہ نے مسیح کی شکل میں ظہور کیا اور روح اللہ نے اس میں حلول کیا، اس کی وجہ سے انھوں نے مسیح اور روح القدس کی الوہیت کو بھی خداوند عالم کی الوہیت کے ساتھ ماننا خواہ مخواہ اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس زبردستی کے التزام سے ان کے لیے یہ مسئلہ ایک ناقابل حل چیستان بن گیا کہ عقیدہ توحید کے باوجود عقیدہ تثلیث کو، اور عقیدہ تثلیث کے باوجود عقیدہ توحید کو کس طرح نباہیں۔ تقریباً ۱۸ سو برس سے مسیح علماء اسی خود پیدا کردہ مشکل کو حل کرنے میں سر کھپا رہے ہیں۔ بیسیوں فرقے اسی کی مختلف تعبیرات پر بنے ہیں۔ اسی پر ایک گروہ نے دوسرے کی تکفیر کی ہے۔ اسی کے جھگڑوں میں کلیسا پر کلیسا الگ ہوتے چلے گئے۔ اسی پر ان کے سارے علم کلام کا زور صرف ہوا ہے۔ حالانکہ یہ مشکل نہ خدا نے پیدا کی تھی، نہ اس کے بھیجے ہوئے مسیح نے، اور نہ اس مشکل کا کوئی حل ممکن ہے کہ خدا تین بھی

مانے جائیں اور پھر وحدانیت بھی برقرار رہے۔اس مشکل کو صرف ان کے غلو نے پیدا کیا ہے اور اس کا بس یہی ایک حل ہے کہ وہ غلو سے باز آجائیں، مسیح اور روح القدس کی الوہیت کا تخیل چھوڑ دیں، صرف اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کر لیں، اور مسیح کو صرف اس کا پیغمبر قرار دیں نہ کہ کسی طور پر شریک فی الالوہیت۔[19]

اس مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیحی عقیدۂ تثلیث اور الوہیتِ مسیح، بائبل کی مخصوص تفسیری تعبیرات اور ابتدائی کلیسائی فیصلوں پر مبنی ہے، جبکہ قرآن اور اسلامی مفسرین، خصوصاً مولانا مودودی، اس تصور کو صریحاً باطل قرار دیتے ہیں۔اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰؑ خالصتاً بشر اور اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں، جنہیں الوہیت کا شریک بنانا توحید کے منافی اور انسانی غلو کا نتیجہ ہے۔یوں دونوں مذاہب میں مسیح کی ذات کے مقام اور صفات کے بارے میں بنیادی عقیدہ جاتی اختلاف موجود ہے۔

مسیح کی ابدیت و ابنیت اور مفسرین قرآن و بائبل

مسیحی الٰہیات میں "مسیح کی ابدیت"(Eternity of Christ) سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع مسیح اپنی ذات اور الوہیت میں ازلی و ابدی ہیں، یعنی ان کا کوئی آغاز یا انجام نہیں۔وہ ہمیشہ سے خدا کے ساتھ موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔یہ عقیدہ مسیحی تثلیث کے بنیادی اصول سے جڑا ہوا ہے، جس کے مطابق مسیح (خدا بیٹا) اور خدا باپ اور روح القدس ایک ہی الٰہی ذات کے تین اقانیم ہیں، اور سب برابر اور ازلی ہیں۔ولیم میکڈونلڈ اسی کی وضاحت یوں کرتا ہے۔

یسعیاہ آیت 6 میں ہے کہ وہ ابدیت کا منبع اور سرچشمہ ہے۔وہ خود ازلی ہے اور جو اُس پر ایمان لاتے ہیں اُن کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے۔[20]

ایک اور مقام پر ولیم میکڈونلڈ لکھتے ہیں:

«ابتدا میں کلام تھا۔» اُس کا اپنا کوئی آغاز نہیں، وہ ازل سے موجود ہے۔اِنسانی ذہن جتنا بھی پیچھے کو ماضی میں جائے خداوند یسوع موجود ہے۔وہ کبھی خلق نہیں کیا گیا۔اُس کا کوئی شروع یا آغاز نہیں، (اِس اِنجیل میں خدا کے بیٹے کا نسب نامہ بے موقع ہوتا)۔[21]

قرآن کے مطابق اللہ تعالی کو یہ تو گوارہ ہے کہ زمین و آسمان شک ہو جائیں مگر یہ گوارہ نہیں کہ کوئی اس کے لیے بیٹا تجویز کرے۔ یہ بات قرآنِ کریم میں سورۃ مریم میں آئی ہے، جہاں اللہ تعالٰی نے بیٹے کی نسبت کو نہایت سخت الفاظ میں رد فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾[22]

"اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے۔ تم نے بہت ہی سخت بات کہی ہے۔ قریب ہے کہ اس بات سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹا قرار دیا۔"

اسی طرح سورہ زمر میں ہے:

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ[23]

اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا، پاک ہے وہ اس سے (کہ کوئی اس کا بیٹا ہو)، وہ اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی کہتے ہیں:

اللہ کا بیٹا ہونا تو سرے سے ہی ناممکن ہے۔ ممکن اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کسی کو اللہ برگزیدہ کرلے۔ اور برگزیدہ بھی جس کو وہ کرے گا، لامحالہ وہ مخلوق ہی میں سے کوئی ہوگا، کیونکہ اللہ کے سوا دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ مخلوق خواہ کتنی ہی برگزیدہ ہو جائے، اولاد کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی، کیونکہ خالق اور مخلوق میں عظیم الشان جوہری فرق ہے، اور ولدیت لازماً والد اور اولاد میں جوہری اتحاد کی مقتضی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ "اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو ایسا کرتا" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ نے ایسا کرنا کبھی نہیں چاہا۔ اس طرز بیان سے یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ کسی کو بیٹا بنالینا تو درکنار، اللہ نے تو ایسا کرنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کیا ہے۔[24]

مولانا مودودی مزید دلائل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولاد کی ضرورت ناقص و کمزور کو ہوا کرتی ہے۔ جو شخص فانی ہوتا ہے وہی اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو تاکہ اس کی نسل اور نوع باقی رہے۔ اور کسی کو متبنّٰی بھی وہی شخص بناتا ہے جو یا تو لاوارث ہونے کی وجہ سے کسی کو وارث بنانے کی حاجت محسوس کرتا ہے، یا محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی کو بیٹا بنالیتا ہے۔ یہ انسانی کمزوریاں اللہ کی طرف منسوب کرنا اور ان کی بنا پر مذہبی عقیدے بنا لینا جہالت اور کم نگاہی کے سوا اور کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے وہ اکیلا اپنی ذات میں واحد ہے، کسی جنس کا فرد نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولاد لازماً ہم جنس ہوا کرتی ہے۔ نیز اولاد کا کوئی تصور ازدواج کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور ازدواج بھی ہم جنس سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص جاہل و نادان ہے جو اس یکتا و یگانہ ہستی کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ قہار ہے۔ یعنی دنیا میں جو چیز بھی ہے اس سے مغلوب اور اس کی قاہرانہ گرفت میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کائنات میں کوئی کسی درجے میں بھی اس سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جس کی بنا پر اس کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔[25]

عقیدہ رسالت اور مفسرین قرآن و بائبل

رسالت کا تصور تمام آسمانی مذاہب میں بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ اس یقین پر قائم ہے کہ خالق کائنات اپنی ہدایت اپنے برگزیدہ بندوں، یعنی رسولوں کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچاتا ہے۔ قرآن اور بائبل دونوں میں رسالت کو انسانیت کی رہنمائی، اخلاقی اصلاح، اور الٰہی پیغام کی امانت داری کے ساتھ ترسیل کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ مفسرینِ قرآن اس عقیدے کو نبوت کے تسلسل اور محمد ﷺ پر اس کے کمال کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں، جبکہ بائبل کے مفسرین اسے مسیح کی حیات، تعلیمات اور کفارہ کے پیغام میں مرکوز دیکھتے ہیں۔ دونوں نقطہ ہائے نظر کا تقابلی مطالعہ رسالت کی حقیقت اور اس کے عملی اثرات کو مزید واضح کرتا ہے۔

مسیح کی حیثیت (نبی یا خدا) اور مفسرین قرآن و بائبل

مسیحیوں کے مطابق مسیح کی حیثیت خدا کے بیٹے کی سی ہے، جو بیک وقت دونوں حیثیتیں رکھتا ہے۔ جیسا کہ فلپیوں 6:2 میں ہے:

"وہ خدا کی صورت میں ہو کر بھی خدا کے برابر ہونے کو اپنی لوٹ سمجھنے پر قائم نہ رہا"[26]

ولیم میکڈونلڈ کہتا ہے کہ

> یسوع مسیح خدا کی صورت پر تھا۔ مراد یہ ہے کہ اس کا وجود ازل سے ہے اور وہ خدا ہے۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ وہ خدا سے مشابہت رکھتا تھا، بلکہ یہ کہ لفظ کے حقیقی مفہوم میں وہ حقیقت میں خدا ہے۔ تو بھی اُس نے ... خدا کے برابر ہوتے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ یہاں خدا کے ساتھ ذات کے لحاظ سے برابری اور وضع یا مقام / حیثیت کے لحاظ سے برابری میں فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک ذات کا تعلق ہے میں ہمیشہ خدا باپ کے برابر تھا، برابر ہے اور برابر رہے گا۔ اُس کے لئے اپنی ذات کو ترک کرنا ممکن ہی نہیں۔ مگر وضع مقام کے لحاظ سے برابری فرق چیز ہے۔ ازل سے مسیح مقام کے لحاظ سے اپنے باپ کے برابر تھا، اور آسمان کے سارے جلال اور حشمت میں شامل تھا۔ لیکن اُس نے اس برابری کو کوئی ایسی چیز نہ سمجھا جس کو ہر قیمت پر قبضہ میں رکھنا چاہئے۔ جب گمراہوں اور کھوئے ہوؤں کی ایک دنیا کو ضرورت تھی کہ اُس کا فدیہ دیا جائے اور چھڑایا جائے تو مسیح نے کمال رضامندی سے مقام کے لحاظ سے خدا کے برابر ہونے کو ترک کر دیا اُس نے آسمان کے آرام و آسائش اور خوشیوں کو خیر باد کہہ دیا۔[27]

اس کے مد مقابل اسلام میں عیسی مسیح کی حیثیت نبی اور عبداللہ کی ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب مریم علیہ السلام پر الزام لگایا گیا تو مسیح علیہ السلام پالنے میں سے بولے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ۣ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا[28]

بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

اس لڑکے نے ماں کا دودھ چھوڑا اور بولنا شروع کر دیا اور کہنے لگا میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب عطا کی ہے اور اسی نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ پہلی بات میں اپنے بندے ہونے کا اعتراف کیا پھر کتاب ملنے کی خبر دی اور پھر اپنی نبوت کا اظہار کیا اور بالکل یقین کی بنا پر مستقبل کی خبر ماضی کے صیغوں کے ساتھ دی۔[29]

حضرت عیسیٰ کا روح منہ ہونا اور مفسرین قرآن و بائبل

بائبل میں حضرت عیسیٰؑ کو Holy Spirit (پاک روح) کے ساتھ خاص نسبت دی گئی ہے، خاص طور پر پیدائش کے وقت لوقا کی انجیل میں ہے:

روح القُدس تُجھ پر نازِل ہو گا اور خُدا تعالےٰ کی قُدرت تُجھ پر سایہ ڈالے گی اور اِس سبب سے وہ مولودِ مقدّس خُدا کا بیٹا کہلائے گا۔[30]

ولیم میکڈونلڈ کی تفسیر میں ہے کہ

«کنواری سے پیدا ہونا۔» یہ روح القدس کا ایک معجزہ ہو گا۔ «روح القدس تجھ پر نازل ہو گا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔» مریم کا مسئلہ یہ تھا کہ «یہ کیونکر ہو گا؟» اِنسانی لحاظ سے تو یہ بات ناممکن تھی—خدا کا جواب ہے «روح القدس۔» «اور اِس سبب سے وہ مولودِ مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا۔» یہ تجسم کا نہایت اعلیٰ بیان ہے۔ مریم کا بیٹا حقیقتاً خدا کا جسم میں ظہور ہے۔ ہماری زبان اِس سربستہ راز کو کھولنے سے قاصر ہے۔[31]

اس تفسیر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بائبل کے مطابق یسوع کی پیدائش براہِ راست Holy Spirit کے عمل سے ہوئی۔ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ مسیحیت میں اسی نسبت سے جڑا ہے کہ وہ "خدا کا کلمہ" اور "پاک روح سے جنم لینے والے" ہیں۔ مسیحیوں کی نظر میں یہ نسبت الوہیت کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

"روح" سے مراد اللہ کی پیدا کردہ وہ پاکیزہ روح ہے جس کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا۔ "منہ" کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کی ذات کا حصہ ہیں، بلکہ یہ شرف اور نسبتِ خاص ہے، جیسے "بیت اللہ" میں "اللہ کا

گھر "۔ حضرت عیسیٰ اللہ کی مخلوق ہیں، مگر تخلیق کا انداز غیر معمولی تھا، اس لیے انہیں "روح منہ" کہا گیا۔ قرآن مجید میں یہ زکر سورہ النساء 171 میں ہے۔ اس کے تفسیری نکات میں مولانا مودودی کہتے ہیں:

> خود مسیح کو رُوْحٌ مِّنْہُ (خدا کی طرف سے ایک روح) کہا گیا ہے، اور سورۃ بقرہ میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (ہم نے پاک روح سے مسیح کی مدد کی)۔ دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مسیح (علیہ السلام) کو وہ پاکیزہ روح عطا کی تھی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست بازی تھی، اور از سر تا پا فضیلت اخلاق تھی۔ یہی تعریف آنجناب کی عیسائیوں کو بتائی گئی تھی۔ مگر انھوں نے اس میں غلو کیا، رُوْحٌ مِّنَ اللّٰہِ کو عین روح اللہ قرار دے لیا، اور روح القدس (Holy Ghost) کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح مقدس تھی جو مسیح کے اندر حلول کر گئی تھی۔ اس طرح اللہ اور مسیح کے ساتھ ایک تیسرا خدا روح القدس کو بنا ڈالا گیا۔ یہ عیسائیوں کا دوسرا زبردست غلو تھا جس کی وجہ سے وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے۔ لطف یہ ہے کہ آج بھی انجیل متی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ ”فرشتے نے اسے (یعنی یوسف نجار کو) خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اے یوسف ابن داؤد، اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے“۔[32]

حضرت عیسی علیہ السلام کا کلمۃ اللہ ہونا اور مفسرین قرآن و بائبل

بائبل میں جب کلمہ کا لفظ استعمال ہوا تو مسیحی اس کا یہ مفہوم لیتے ہیں:

> «ابتدا میں کلام تھا۔» اُس کا اپنا کوئی آغاز نہیں، وہ ازل سے موجود ہے۔ اِنسانی ذہن جتنا بھی پیچھے کو ماضی میں جائے خداوند یسوع موجود ہے۔ وہ کبھی خلق نہیں کیا گیا۔ اُس کا کوئی شروع یا آغاز نہیں، (اِس اِنجیل میں خدا کے بیٹے کا نسب نامہ بے موقع ہوتا)۔ «کلام خدا کے ساتھ تھا۔» اُس کی شخصیت بالکل الگ اور جدا ہے۔ وہ کوئی خیال یا تصور ہی نہیں، نہ کوئی مبہم مثال یا نظیر تھا بلکہ حقیقی شخص (اقنوم) تھا جو «خدا کے ساتھ» رہتا تھا۔ «کلام خدا تھا۔» وہ نہ صرف «خدا کے ساتھ» رہتا تھا بلکہ وہ خود «خدا تھا۔»[33]

قرآن پاک میں سورہ النساء 171 میں کلمہ اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس کے تفسیری نکات میں مولانا مودودی کہتے ہیں:

> اصل میں لفظ ''کلمہ ''استعمال ہوا ہے۔ مریم کی طرف کلمہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مریم (علیہاالسلام) کے رحم پر یہ فرمان نازل کیا کہ کسی مرد کے نطفہ سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کرلے۔ عیسائیوں کو ابتداءً مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش بے پدر کا یہی راز بتایا گیا تھا۔ مگر انھوں نے یونانی فلسفہ سے گمراہ ہو کر پہلے لفظ کلمہ کو ''کلام ''یا ''نطق '' (LOCOS) کا ہم معنی سمجھ لیا۔ پھر اس کلام و نطق سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت کلام مراد لے لی۔ پھر یہ قیاس قائم کیا کہ اللہ کی اس ذاتی صفت نے مریم (علیہاالسلام) کے بطن میں داخل ہو کر وہ جسمانی صورت اختیار کی جو مسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح عیسائیوں میں مسیح (علیہ السلام) کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور اس غلط تصور نے جڑ پکڑ لی کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی ازلی صفات میں سے نطق و کلام کی صفت کو مسیح کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔[34]

عقیدہ کفارہ و تصلیب مسیح اور مفسرین قرآن و بائبل

عقیدۂ کفارہ (Atonement) مسیحیت میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر جان دے کر انسانوں کے گناہوں کا فدیہ ادا کر گئے اور ان پر ایمان لانے والے نجات پاتے ہیں۔ ولیم میکڈونلڈ اس عقیدے کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> وہ خدا کے جلال کا پرتو ہے یعنی خدا باپ میں ہیں جو کل کاملیت ملتی ہے وہ بیٹے میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اُس کے جلال کی تابانی و درخشندگی ہے۔ خدا کی تمام اخلاقی اور روحانی جلالت اُس میں دیکھی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ خُداوند یسوع خدا کی ذات کا حقیقی نقش ہے۔ لیکن اس کا اشارہ جسمانی شکل و شباہت کی طرف نہیں ہے کیونکہ خدا اپنی ذات میں روح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اُن تمام باتوں میں جو انسانی سمجھ میں آسکتی ہیں بعین باپ کی مانند ہے۔ اس سے زیادہ نزدیکی مشابہت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ بیٹا، خدا ہوتے ہوئے اپنے کلام اور کام سے ظاہر کرتا ہے کہ خدا کسی قسم کا ہے۔ اور وہ کل

کائنات کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ابتدا میں عالم اسی کے کہنے سے بنے(عبرانیوں 1: 1)۔اب بھی وہ کلام کرتا ہے اور اُس کا قدرت کا کلام زندگی دیتا، اور تمام چیزوں اور کائنات کو درست نظام میں برقرار رکھتا ہے۔یہ وہی ہے جس میں تمام چیزیں قائم رہتی ہیں(کلسیوں 1: 1)۔ یہاں اُس بات کی جس کے بارے میں سائنسدان چکرائے رہتے ہیں سادہ سی تشریح ہے۔سائنسدان یہ معلوم کرنے میں کوشاں ہیں کہ ذروں کو کون سی قوت باہم قائم رکھے ہوئے ہے! یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بیٹوں میں اسے اپنے قدرت کے کلام سے سنبھالے ہوئے ہے۔لیکن ہمارے نجات دہندہ کا اگلا جلال سب سے زیادہ حیران کن ہے جبکہ اُس نے ہمارے گناہوں کو دھویا۔خالق اور قیوم ہمارے گناہ اُٹھانے والا بن جاتا ہے۔کائنات کی تخلیق کے لئے اسے صرف کنی کہنا پڑا اور وہ وجود میں آگئی کیونکہ اس میں کوئی اخلاقی فتور حائل نہ تھا۔لیکن سے گناہوں کو پیٹ کے لئے دُور کرنے کی خاطر اُسے تھوری کی صلیب پر جان دینا پڑی۔یہ خیال کہ قادر مطلق خداوند قربانی کا بتہ بن گیا جہمارے لئے ناقابل فہم ہے۔[35]

قرآن کریم صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو قتل نہ کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس اٹھالیا:

"وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم"[36]

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔

مودودی کی توضیح کے مطابق

یہودی اور مسیحیوں کی رائے کہ مسیح صلیب پر فوت ہوئے، محض غلط فہمی اور قیاس پر مبنی تھی۔اس لیے یہ نظریہ کہ مسیح کی موت انسانوں کے گناہوں کے کفارہ کے لیے ہوئی، قرآن کی روشنی میں باطل ہے۔حضرت مسیح کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ جان بوجھ کر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تحت اور غلط فہمیوں کی بنیاد پر تھا۔قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ پیغمبروں کی انسانی زندگی میں موت ان

کے پیغام یا گناہوں کے کفارہ کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی تقدیر اور امتحان کا حصہ ہوتی ہے۔اس لیے کفارہ کا تصور جو مسیح کی صلیب پر موت پر مبنی ہے، غیر قرآنی ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو اٹھالیا تاکہ وہ قتل نہ ہوں۔اگر مسیح صلیب پر مر کر کفارہ دیتے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ کی قدرت ناکام رہی، جو کہ قرآن کے مطابق بالکل ناممکن ہے۔[37]

رفع سماوی، نزول مسیح و تجسم مسیح اور مفسرین قرآن و بائبل

مسیحی عقیدے کے مطابق، یسوع مسیح مصلوب ہونے، دفن ہونے اور جی اُٹھنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیے گئے اور خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہیں۔اعمال 1:9-11 میں ہے:

"یہ باتیں کہنے کے بعد وہ اُن کے دیکھتے دیکھتے اوپر اُٹھالیا گیا اور بادل نے اُسے ان کی نظروں سے چھپا لیا۔اور جب وہ آسمان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے کہ وہ جا رہا ہے تو دیکھو دو آدمی سفید کپڑے پہنے ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور کہا: اے گلیل کے مردو! تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو؟ یہی یسوع جو تم سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے، اسی طرح واپس آئے گا جس طرح تم نے اُسے آسمان پر جاتے دیکھا۔"[38]

ولیم میکڈونلڈ کے مطابق:

مسیح نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ اور گواہی کی خدمت کے لیے مقرر کرنے کے بعد آسمان پر اُٹھالیا گیا۔ پاک کلام میں اس واقعے کو مختصر اور سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے: «وہ اُن کے دیکھتے دیکھتے اُوپر اُٹھالیا گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا۔» اس سادگی اور ضبطِ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنفین واقعی الہام کے زیر اثر تھے، کیونکہ انسانی فطرت ایسے شاندار مناظر کو عام اور سادہ الفاظ میں بیان کرنے کی عادی نہیں۔ اس کے بعد لوقا بیان کرتا ہے کہ «دو مرد سفید پوشاک پہنے» شاگردوں کے پاس آئے، یعنی فرشتے زمین پر انسانی شکل میں ظاہر ہوئے، ممکن ہے وہی فرشتے ہوں جو مسیح کے جی اُٹھنے کے بعد قبر پر بھی نظر آئے تھے۔ان فرشتوں نے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا «اے گلیلی مردو»، کیونکہ شاگردوں میں سوائے یہوداہ اسکریوتی کے سب گلیل کے مغربی

علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور جب وہ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو گہری سوچ سے جگایا۔ تم آسمان کی طرف اِتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟ کیا وہ غم میں ڈوبے ہوئے تھے؟ یا پرستش کے جذبات سے مغلوب تھے؟ یا حیرانی اور تعجب سے سکتے میں آ گئے تھے؟ بلاشبہ تینوں قسم کے جذبات یکجا تھے، لیکن شاید رنج و غم غالب تھا۔ اِس لئے اُن کو تسلی دی گئی کہ مسیح جو آسمان پر گیا، دوبارہ آئے گا۔ یہاں خداوند کی آمدِ ثانی اور زمین پر بادشاہی کرنے کا وعدہ بالکل واضح ہے۔ یہاں فضائی استقبال کی طرف اِشارہ نہیں بلکہ بادشاہی قائم کرنے کی بات کی گئی ہے۔ [39]

اسلام کے مطابق حضرت مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ اور وہ قیامت کے نزدیک عادل حکمران کی حیثیت سے اتریں گیں۔ مولانا مودودی رفع سماوی، نزول و تجسم مسیح کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

قرآن واضح طور پر بتاتا ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔ تاہم قرآن اس "اٹھائے جانے" کی کیفیت کی تفصیل نہیں دیتا کہ یہ جسمانی تھی یا صرف روحانی۔ اندازِ بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ واقعہ غیر معمولی نوعیت کا تھا کیونکہ قرآن نے بالکل وہی لفظ "رفع" استعمال کیا جو عیسائی عقیدے میں اس واقعے کے لیے موجود تھا، اور اس سے نہ صرف اس عقیدے کی صریح تردید نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ایک اضافی قرینہ بھی فراہم ہوتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا معمولی موت یا درجات کی بلندی جیسا ہوتا تو قرآن اس کو مختلف انداز میں بیان کرتا، اور یہ جملہ کہ "اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے" بھی غیر معمولی واقعے کی نشاندہی کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں استعمال ہونے والا لفظ "متوفیک" قبض روح یا قبض روح و جسم دونوں کے معنی رکھتا ہے اور طبعی موت کی صریح تصریح نہیں کرتا۔ اس لیے قرآن کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا۔ احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آنے اور دجال سے لڑنے کا بیان موجود ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کا دنیا میں مرنے کے بعد واپس آنا زیادہ ممکن ہے، نہ کہ وہ صرف زندہ کہیں خدا کی کائنات میں موجود رہیں۔ اس طرح قرآن مسیح کی

صلیب پر موت اور الوہیت کے عیسائی عقائد کو رد کرتا ہے اور ان کے اٹھائے جانے کے معاملے کو ایک غیر معمولی اور خدائی قدرت کے مظہر کے طور پر بیان کرتا ہے۔[40]

بائبل میں رسول اکرم کی بشارت اور مفسرین قرآن و بائبل

کتاب استثنا اور پیشن گوئی

نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئیاں تورات کی کتاب استثناء میں موجود ہے مگر مسیحیوں کے مطابق یہ پیشن گوئی یسوع مسیح کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ استثناء18:15-19 کی تفسیر میں ولیم میکڈونلڈ بیان کرتے ہیں:

جادوگری کے راہنماؤں کی بُرائیوں کے مقابلے میں آیت ۱۵ میں مسیح یعنی خدا کے حقیقی نبی کے بارے میں ایک خوبصورت پیش گوئی بیان کی گئی ہے۔

1. ایک نبی ___ یعنی وہ جو خدا کا کلام پیش کرتا ہے،
2. تیرے ہی درمیان سے ___ یعنی بالکل حقیقی اِنسان
3. تیرے بھائیوں میں سے ___ یعنی اِسرائیلی،
4. میری مانند ___ یعنی جیسے موسیٰ کی طرح خدا برپا کرے گا،
5. میں اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا ___ اِلہام کا کمال،
6. اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا ___ اِلہام کی معموری،
7. سب اُس کی باتوں کو سننے اور اُس پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

اِس حصے میں یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ یہ نبی خدا اور اِنسان کے مابین درمیانی ہو گا۔ کوہِ سینا پر لوگ اِس قدر خوف زدہ تھے کہ اُنہوں نے درخواست کی کہ خدا آئندہ ہم سے براہِ راست کلام نہ کرے، ہم آئندہ آگ نہ دیکھیں کہ کہیں ہم مر نہ جائیں۔ اُن کی درخواست کے جواب میں خدا نے وعدہ کیا کہ وہ مسیح کو درمیانی کی حیثیت سے بھیجے گا۔ یہ آیات یہودیوں میں مسیح کی آمد کی اُمید کے سلسلے میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔[41]

مولانا مودودی اپنی تفہیم القرآن میں اس کی تاویل یوں کرتے ہیں:

یہ توراۃ کی صریح پیشن گوئی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ اس میں حضرت موسیٰ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنارہے ہیں کہ میں تیرے لیے تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ ایک قوم "بھائیوں" سے مراد خود اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی دوسری ایسی قوم ہی ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو۔ اگر مراد خود بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی آمد ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے کہ میں تمہارے لیے خود تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کی بنا پر ان کے نسبی رشتہ دار ہیں۔ مزید براں اس پیشن گوئی کا مصداق بنی اسرائیل کا کوئی نبی اس وجہ سے بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایک نبی نہیں، بہت سارے نبی آئے ہیں جن کے ذکر سے بائبل بھری پڑی ہے۔ دوسری بات اس بشارت میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جو نبی برپا کیا جائے گا وہ حضرت موسیٰ کے مانند ہوگا۔ اس سے مراد ظاہر ہے کہ شکل صورت یا حالات زندگی میں مشابہ ہونا تو نہیں ہے، کیونکہ اس لحاظ سے کوئی فرد بھی کسی دوسرے فرد کے مانند نہیں ہوا کرتا۔ اور اس سے مراد محض وصف نبوت میں مماثلت بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ وصف ان تمام انبیاء میں مشترک ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد آئے ہیں، اس لیے کسی ایک نبی کی یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس وصف میں ان کے مانند ہو۔ پس ان دونوں پہلوؤں سے مشابہت کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد کوئی اور وجہ مماثلت، جس کی بنا پر آنے والے ایک نبی کی تخصیص قابل رحم ہو، اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ وہ نبی ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰ کے مانند ہو۔ اور یہ خصوصیت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی، کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نبی بھی آئے تھے وہ شریعت موسوی کے پیرو تھے، ان میں سے کوئی بھی ایک مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔[42]

یوحنا کی انجیل اور بشارت

نئے عہد نامے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا صاف صاف نام لے کر آپ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ مگر مسیحیوں کے مطابق وہ شیطان ہے۔ اس تاویل کو بیان کرتے ہوئے ولیم میکڈونلڈ لکھتے ہیں:

> خداوند کو معلوم تھا کہ میرے پکڑوائے جانے کا وقت قریب آرہا ہے۔ اب میرے پاس اِتنا وقت نہیں ہو گا کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ «باتیں» کر سکوں۔ اُس لمحے بھی شیطان آگے بڑھتا آرہا تھا لیکن خداوند جانتا تھا کہ دشمن مجھ میں گناہ کا شائبہ تک نہیں پا سکتا۔ مسیح میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو ابلیس کی بُری آزمائشوں کا جواب دیتی۔ اگر یسوع کے علاوہ کوئی دوسرا یہ بات کہتا کہ «دُنیا کا سردار (شیطان) آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں» تو نہایت مضحکہ خیز بات ہوتی۔[43]

مولانا مودودی ان تاویلات کا جواب یوں دیتے ہیں:

> ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ "دنیا کا سردار" (سرورِ عالم) ہوگا، "ابد تک" رہے گا، "سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا، " اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰ کی) "گواہی دے گا"۔ یوحنا کی ان عبارتوں میں "روح القدس " اور "سچائی کی روح" وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر، ہمہ گیر، اور قیامت تک باقی رہنے والی ہو گی۔ اس شخص خاص کے لیے اردو ترجمے میں "مددگار" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا، اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ Para Cletus تھا۔ مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔ اصل یونانی زبان میں Para Clate کے کئی معنی

ہیں: کسی جگہ کی طرف بلانا، مدد کے لیے پکارنا، انذار وتنبیہ، ترغیب، اکسانا، التجا کرنا، دعا مانگنا۔ پھر یہ لفظ ہی بنی مفہوم میں یہ معنی دیتا ہے: تسلی دینا، تسکین بخشنا، ہمت افزائی کرنا۔ بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے، ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اور اجن (Origen) نے کہیں اس کا ترجمہ Consolator کیا ہے اور کہیں Deprecator مگر دوسرے مفسرین نے ان دونوں ترجموں کو رد کر دیا کیونکہ اول تو یہ یونانی گرامر کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں، دوسرے تمام عبارتوں میں جہاں یہ لفظ آیا ہے، یہ معنی نہیں چلتے۔ بعض اور مترجمین نے اس کا ترجمہ (رض) eacher کیا ہے، مگر یونانی زبان کے استعمالات سے یہ معنی بھی اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ ترتولیان اور آگسٹائن نے لفظ Advocate کو ترجیح دی ہے، اور بعض اور لوگوں نے Assistant, اور Comforter, اور Consoler وغیرہ الفاظ اختیار کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سائیکلوپیڈیا آف بیبلیکل لٹریچر، لفظ پیریکلیٹس) ۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان ہی میں ایک دوسرا لفظ Periclytos موجود ہے جس کے معنی ہیں "تعریف کیا ہوا"۔ یہ لفظ بالکل "محمد" کا ہم معنی ہے، اور تلفظ میں اس کے اور Paracletus کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیا بعید ہے کہ جو مسیحی حضرات اپنی مذہبی کتابوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق بے تکلف رد و بدل کر لینے کے خوگر رہے ہیں انھوں نے یوحنا کی نقل کردہ پیشین گوئی کے اس لفظ کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املا میں یہ ذرا سا تغیر کر دیا ہو۔ اس کی پڑتال کرنے کے لیے یوحنا کی لکھی ہوئی ابتدائی یونانی انجیل بھی کہیں موجود نہیں ہے جس سے یہ تحقیق کیا جا سکے کہ وہاں ان دونوں الفاظ میں سے دراصل کونسا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔[44]

کتاب مقدس کا محفوظ ہونا اور مفسرین قرآن و بائبل

مسیحیوں کے مطابق کتاب مقدس (اناجیل و عہد نامہ قدیم) محفوظ ہے، اس میں کوئی چیز بھی منسوخ شدہ نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل وہ متی 18:5 سے لیتے ہیں، جس میں درج ہے:

میں تم سے سچ ہی کہتا ہوں کہ زمین و آسمان کے فنا ہونے تک شریعت سے کچھ بھی غائب نہ ہوگا۔ شریعت کا ایک حرف یا اسکا ایک لفظ بھی غائب نہ ہوگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔[45]

ولیم میکڈونلڈ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

اکثر انقلابی لیڈر ماضی سے قطع تعلق کر لیتے اور موجودہ روایتی نظام کو ردّ اور ترک کر دیتے ہیں، مگر خُداوند یسوؑع نے ایسا نہیں کیا، اُس نے موسیٰؑ کی شریعت کو سربلند رکھا اور زور دیا کہ اِسے پورا کیا جائے۔ یسوؑع ‹‹توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے›› نہیں ‹‹بلکہ پورا کرنے آیا›› تھا۔ اُس نے واضح اور تاکیدی طور پر کہا کہ ‹‹ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہر گز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔›› ‹‹نقطہ›› یا Yod عبرانی حروفِ تہجی کا سب سے چھوٹا حرف ہے جب کہ ‹‹شوشہ›› وُہ چھوٹا سا نشان یا اعراب کا وقفہ ہوتا ہے جو حروف میں اِمتیاز کرتا یا تلفظ کا تعین کرتا ہے۔ مثلاً زیر، زبر اور پیش کی علامتیں۔ یسوؑع ایمان رکھتا تھا کہ الکتاب اپنی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات تک الہامی ہے۔ یہ بات اہم اور قابلِ توجہ حقیقت ہے کہ یسوؑع نے یہ نہیں کہا کہ توریت کبھی منسوخ نہ ہو گی بلکہ یہ کہ ‹‹جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔›› چونکہ ایمان دار اور شریعت کا باہمی تعلق بُہت پیچیدہ ہے اِس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اِس سلسلے میں بائبل مقدس کی تعلیمات کو قدرے اِختصار کے ساتھ پیش کر دیں۔[46]

کتاب مقدس کی نزول کی زبانیں مردہ ہو گئیں، بعض کتب کے مصنفین جن پر وہ نازل ہوئیں وہ بھی نامعلوم ہیں۔ اس کے مد مقابل قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو قیامت تک محفوظ ہے، جو عربی زبان میں نازل ہوئی، جو آج تک زندہ زبان ہے۔ قرآن پاک زندہ زبان ہے اور اس کی حفاظت کا زمہ اللہ نے لیا ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[47]

رہا یہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی کہتے ہیں:

چونکہ یہ الہامی کلام ہے، اس لیے اس میں کسی انسان یا مخلوق کو تحریف یا بگاڑ پیدا کرنے کی طاقت نہیں۔ "یہ براہِ راست ہماری حفاظت میں ہے" کے الفاظ میں وہ واضح کرتے ہیں کہ نہ کفار کے مٹانے کی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے، نہ مخالفین کے دبانے یا چھپانے کے حربے اثرانداز ہو سکتے ہیں۔ مولانا مودودی کے مطابق، تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل اور اسباب پیدا کیے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ محفوظ، غیر محرّف اور اصلی شکل میں امت تک پہنچتا رہا۔ حفاظتِ قرآن محض زبانی یا تحریری شکل میں نہیں بلکہ امت کے اجتماعی حافظے میں بھی محفوظ ہے، جو اللہ کی طرف سے قائم کیا گیا ایک معجزہ ہے۔ [48]

فرشتوں کا تصور اور مفسرین

اسلام اور مسیحیت دونوں میں فرشتے نوری مخلوق ہیں جو اللہ یا خدا تعالیٰ کی عبادت اور خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ چونکہ پروٹیسٹنٹ مسیحیت میں مسیح علیہ السلام کا درجہ خدا کا ہے۔ ولیم میکڈونلڈ کا تعلق بھی اسی فرقے سے ہے۔ اس لیے وہ فرشتوں کو مسیح علیہ السلام کی خدمت میں ہر وقت مشغول مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ ان کا تخت پکڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ولیم میکڈونلڈ کی تفسیر میں ہے:

> مسیح نے پہلے سے ہی اپنی بادشاہی قائم کر لی ہے۔ وہ کروبیوں پر تخت نشین ہے۔ اِس کا غالباً یہ مطلب ہے کہ علامتی طور پر کروبی اُس کے تخت کو تھامے ہوئے ہیں۔ اُن فرشتوں کا انسان کی طرح جسم ہے اور اُن کے پَر بھی ہیں۔ اِس تخت نشین بادشاہ کا منظر اِس قدر پُر جلال ہے کہ قومیں کانپیں گی اور زمین خوف سے لرزے گی۔ [49]

اسلام کے مطابق فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں جس کا اشارہ سورہ انبیاء میں یوں ملتا ہے:

> وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ [50]

اور جو کوئی بھی آسمان وزمین میں ہے سب اسی کے مملوک ہیں اور جو کوئی اس کی بارگاہ میں مقرب ہیں یعنی فرشتے ان کی حالت یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہی فرشتے جن کو مشرکین عرب خدا کی اولاد سجھ کر، یا خدائی میں دخیل مان کر معبود بنائے ہوئے تھے۔ خدا کی بندگی کرنا ان کو ناگوار بھی نہیں ہے کہ بادل ناخواستہ بندگی کرتے کرتے وہ طول ہو جاتے ہوں۔ لفظ لایستحسرون استعمال کیا گیا ہے۔ استحسار میں تکان کا مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد وہ تکان ہے جو کسی ناگوار کام کے کرنے سے لاحق ہوتی ہے۔[51]

شیطان فرشتہ تھا یا جن اور مفسرین

بائبل کے مطابق شیطان کو جن نہیں کہا گیا بلکہ اسے گرا ہوا فرشتہ (Fallen Angel) بیان کیا گیا ہے۔ جس کی طرف اشارہ یہ آیت یوں کرتی ہے:

"تو مسح کیا ہوا کروبی فرشتہ تھا، میں نے تجھے مقرر کیا، تو خدا کے مقدس پہاڑ پر تھا... تیرا دل تیرے جمال کے باعث غرور سے بھر گیا، تو اپنی رونق کی وجہ سے اپنی حکمت کو فاسد کر بیٹھا، اس لیے میں نے تجھے زمین پر ڈال دیا۔"[52]

مزید وضاحت ہمیں اس آیت میں بھی ملتی ہے:

"اَے صبح کے بیٹے، اَے صبح کے ستارے، تُو آسمان سے کس طرح گر گیا! تُو جو قوموں کو کمزور کرتا تھا، زمین پر کس طرح گرایا گیا! تُو نے اپنے دل میں کہا، میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا، میں اپنا تخت خدا کے ستاروں سے بھی بلند کروں گا... مگر تُو پاتال میں، گڑھے کی گہرائیوں میں اُتارا جائے گا۔"[53]

اس آیت کی تفسیر میں ولیم میکڈونلڈیوں کہتے ہیں:

یہ واضح طور پر شیطان کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ خود مسیح نے بھی اس کی اس نوعیت کی وضاحت کی ہے یسعیاہ ۱۴: ۱۳-۱۴ میں درج الفاظ کسی اور کے لیے موزوں نہیں بلکہ صرف شیطان

کے غرور اور تکبر کی عکاسی کرتے۔ "صبح کا روشن ستارہ" یا لغوی معنی میں "صبح کا بیٹا" اپنی مرضی کو خدا کی رضا سے بالاتر سمجھنے کے باعث آسمان سے نکالا گیا اور زمین پر گرایا گیا۔ آیات ۱۳-۱۴ میں شیطان کے بدنام زمانہ اقوال، جیسے "میں... کروں گا"، اس کی خدا کے خلاف بغاوت اور غرور کو ظاہر کرتے ہیں۔ نتیجتاً اسے پاتال میں ڈال دیا جائے گا تاکہ ایک عبرت اور حیرت کا مقام بنے، جہاں دیکھنے والے اس طاقتور مخلوق کے زوال پر حیران رہ جائیں گے۔[54]

قرآن کے مطابق ابلیس جن تھا جس کو آگ سے پیدا کیا گیا۔ قرآن میں ہے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ-كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖؕ-اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّؕ-بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا[55]

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کہ قومِ جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمھارے دشمن ہیں ظالموں کو کیا ہی برا بدل (بدلہ) ملا

مولانا مودودی مسیحیت کے اس عقیدے کا رد یوں کرتے ہیں:

ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ جنوں میں سے تھا، اس لیے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لیے ممکن ہوا۔ فرشتوں کے متعلق قرآن تصریح کرتا ہے کہ وہ فطرۃً مطیع فرمان ہیں، وہ سرکشی نہیں کرتے، اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جن انسانوں کی طرح ایک ذی اختیار مخلوق ہے جسے پیدائشی فرمان بردار نہیں بنایا گیا بلکہ کفر و ایمان اور طاعت و معصیت، دونوں کی قدرت بخشی گئی ہے۔ اس حقیقت کو یہاں کھولا گیا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اس لیے اس نے خود اپنے اختیار سے فسق کی راہ انتخاب کی۔ یہ تصریح ان تمام غلط فہمیوں کو رفع کر دیتی ہے جو عموماً لوگوں میں پائی جاتی ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا اور فرشتہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ معلم الملکوت۔ رہا یہ سوال کہ جب ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا تو پھر قرآن کا یہ طرز بیان کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ "ہم نے ملائکہ کو کہا کہ آدم کو سجدہ

کرو پس ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا"؟اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو سجدے کا حکم دینے کے معنی یہ تھے کہ وہ تمام مخلوقات ارضی بھی انسان کی مطیع فرمان بن جائیں جو کرہ زمین کی عملداری میں فرشتوں کے زیر انتظام آباد ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کے ساتھ یہ سب مخلوقات بھی سر بسجود ہوئیں۔ مگر ابلیس نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔[56]

آخرت کا تصور اور مفسرین قرآن و بائبل

آخرت کا تصور انسان کی زندگی اور اعمال کے تناظر میں ایک بنیادی حقیقت ہے، جو نہ صرف دنیاوی زندگی کی عارضی نوعیت کی یاددہانی کراتا ہے بلکہ انسان کو اپنی ذمہ داریوں اور اخلاقی فیصلوں کے لیے بھی بیدار کرتا ہے۔ قرآن و بائبل دونوں میں قیامت، احیائے اموات اور اعمال کے مطابق جزا و سزا کا عقیدہ نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بائبل میں مکاشفہ 20:12 میں واضح ہے کہ ہر انسان، بڑے اور چھوٹے، خدا کے حضور کھڑا ہو گا اور ان کے اعمال کی کتابیں کھولی جائیں گی، جس کے مطابق ان کا فیصلہ ہو گا۔ یہ منظر نہ صرف انسان کی زندگی میں ہر عمل کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے بلکہ اس بات کا بھی عندیہ دیتا ہے کہ دنیا میں کوئی بھی عمل چھوٹا یا غیر اہم نہیں ہو گا۔

قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال درست ترازو میں تولے جائیں گے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہو گا (الأنبیاء 21:47)۔ مولانا مودودی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ترازو صرف مادی چیزوں کے لیے نہیں بلکہ انسان کے اخلاقی اوصاف و اعمال کی پیمائش کے لیے ہو گا، تاکہ نیکی اور بدی کا عادلانہ تعین ممکن ہو۔

آخرت کے اس تصور میں جنت اور جہنم کی تصویر انسان کی رہنمائی اور ترغیب کے لیے پیش کی گئی ہے۔ جنت میں ایمان والوں کے لیے کامل سکون، روحانی اور مادی نعمتیں، اور سب سے بڑی نعمت—خالق کی رضا—دی جائے گی۔ اس کے برعکس، جہنم بدکاروں کے لیے شدید اور ہولناک عذاب کی صورت میں بیان کی گئی ہے، جیسا کہ قرآن اور بائبل دونوں میں واضح ہے۔

ولیم میکڈونلڈ، مولانا مودودی اور دیگر مفسرین کے مطابق قیامت، اعمال کی جزا و سزا اور احیائے اموات کا عقیدہ انسان کے لیے نہ صرف ایمان کی بنیاد ہے بلکہ اخلاقی اور روحانی تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔ اس تمہید کے تحت آخرت کا تصور ہر فرد کو نیکی کی ترغیب دینے، بدی سے باز رکھنے اور زندگی کے ہر عمل کے حساب کا شعور پیدا کرنے والا مرکزی اصول ہے۔

قیامت اور دوبارہ زندہ ہونا

آخرت کا تصور بائبل کی الہامی تعلیمات میں نہایت بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تصور انسان کو اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ موجودہ زمینی زندگی عارضی ہے اور ہر فرد کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جا سکے۔ بائبل میں اس عقیدے کو نہ صرف روحانی امید کے طور پر پیش کیا گیا ہے بلکہ ایک لازمی اور اٹل حقیقت کے طور پر بھی بیان کیا گیا ہے، جو خدا کے عدل اور حکمت کا مظہر ہے۔ چنانچہ کتابِ دانی ایل اور انجیلِ یوحنا میں واضح طور پر ذکر ملتا ہے کہ مردے دوبارہ زندہ ہوں گے؛ نیکوکار ہمیشہ کی زندگی پائیں گے اور بدکار ابدی رسوائی اور عذاب کا سامنا کریں گے۔ یہ تعلیم انسان کو نیکی کی ترغیب اور بدی سے اجتناب کی تلقین کرتی ہے، اور اسے آخرت کے دن کی تیاری پر آمادہ کرتی ہے۔ مثال کے طور پر یوحنا 5:28-29 میں ہے:

> اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ وہ وقت آرہا ہے کہ سب جو قبروں میں ہیں اس کی آواز سنیں گے، اور نکل آئیں گے؛ جنہوں نے بھلائی کی زندگی پائی وہ زندگی کے لیے اور جنہوں نے بدی کی وہ سزا کے لیے۔[57]

ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں:

> اُس نے اَور زیادہ چونکا دینے والی حقیقت کا اِنکشاف کیا کہ ‹‹وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اُس کی آواز سن کر نکلیں گے۔›› جو خدا نہ ہو اُس کے لئے ایسی پیش گوئی کرنا کیسی حماقت ہو گی کہ قبروں میں پڑی ہوئی لاشیں ایک دن میری آواز سنیں گی! صرف خدا ہی ایسے بیان کا دعوے دار ہو سکتا ہے۔ وہ دن آتا ہے جب سارے مُردے زندہ کئے جائیں گے۔ بعض ‹‹زندگی کی قیامت کے واسطے›› اور بعض ‹‹سزا کی قیامت کے واسطے››۔ یہ کیسی سنجیدہ سچائی ہے کہ ہر وہ شخص جو کبھی اِس دُنیا میں موجود تھا، یا آئندہ موجود ہو گا، وہ ان دو میں سے ایک طبقے میں شامل ہو گا۔[58]

قرآنِ مجید میں آخرت اور قیامت کا تصور ایمان کے بنیادی ارکان میں سے ہے، جو انسان کو اس کی ذمہ داری اور انجام کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یہ تصور واضح کرتا ہے کہ دنیاوی زندگی محض ایک آزمائش ہے اور اصل زندگی آخرت میں ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ سورۃ الحج کی آیت 7 میں اللہ تعالیٰ قیامت کے یقینی اور اٹل ہونے کی خبر دیتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ تمام لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ اعلان نہ صرف ایمان والوں کے لیے امید اور خوشخبری ہے بلکہ منکروں کے لیے تنبیہ بھی ہے کہ موت کے بعد زندگی ایک حقیقت ہے جس سے کوئی انکار یا فرار ممکن نہیں۔ مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

> اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے "۔ لوگوں کو تو یہ سن کر اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انھیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مردے جلا رہا ہے۔ جن مادوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ نمکیات، کچھ ہوائیں، اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفس انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر ان ہی مردہ، بے جان مادوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر انہی مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلیے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔ اس کے بعد ذرا اپنے گرد و پیش کی زمین پر نظر ڈالیے۔ بیشمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بیشمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوند خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گرد و پیش کی سوکھی زمین ان لاکھوں مردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی کہ پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مردہ جڑ اپنی قبر سے جی اٹھی، اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے اموات کا عمل ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ [59]

اسی آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی مزید وضاحت کرتے ہیں:

"قیامت کی گھڑی آکر رہے گی" اور یہ کہ "اللہ ضرور ان سب لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو مر چکے ہیں"، ان تین مقدمات کا عقلی نتیجہ ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کے کاموں کو اس کی قدرت کے پہلو سے دیکھیے تو دل گواہی دے گا کہ وہ جب چاہے قیامت برپا کر سکتا ہے اور جب چاہے ان سب مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے جن کو پہلے وہ عدم سے وجود میں لایا تھا۔ اور اگر اس کے کاموں کو اس کی حکمت کے پہلو سے دیکھیے تو عقل شہادت دے گی کہ یہ دونوں کام بھی وہ ضرور کر کے رہے گا کیونکہ ان کے بغیر حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور ایک حکیم سے یہ بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ جو محدود سی حکمت و دانائی انسان کو حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنا مال یا جائیداد یا کاروبار جس کے سپرد بھی کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے۔ گویا امانت اور محاسبے کے درمیان ایک لازمی عقلی رابطہ ہے جس کو انسان کی محدود حکمت بھی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرتی۔ پھر اسی حکمت کی بنا پر آدمی ارادی اور غیر ارادی افعال کے درمیان فرق کرتا ہے، ارادی افعال کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور وابستہ کرتا ہے، افعال میں نیک اور بد کی تمیز کرتا ہے"، اچھے افعال کا نتیجہ تحسین اور انعام کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، اور برے افعال پر سزا کا تقاضا کرتا ہے، حتیٰ کہ خود ایک نظام عدالت اس غرض کے لیے وجود میں لاتا ہے۔ یہ حکمت جس خالق نے انسان میں پیدا کی ہے، کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہوگا۔ کیا مانا جا سکتا ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا اتنے سر و سامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہے، اس کا حساب وہ کبھی نہ لے گا؟ کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان کے جو برے اعمال سزا سے بچ نکلے ہیں، یا جن برائیوں کی متناسب سزا اسے نہیں مل سکی ہے ان کی باز پرس کے لیے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی، اور جو بھلائیاں اپنے منصفانہ انعام سے محروم رہ گئی ہیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اور زندگی بعد موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضا ہے جس کا پورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سراسر بعید از عقل ہے۔[60]

حساب و کتاب

مکاشفہ 12:20 قیامت اور آخرت میں خدا کے عدل و انصاف کے قیام کی وضاحت کرتی ہے۔ یہاں ہر انسان، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا، خدا کے سامنے کھڑا ہوگا اور ان کے اعمال کی کتابیں کھولی جائیں گی۔ ان کتابوں میں ہر شخص کے اعمال درج ہیں، اور اسی کے مطابق ان کا فیصلہ ہوگا۔ یہ منظر دنیا میں کی گئی ہر نیکی اور برائی کے مکمل حساب کی نمائندگی کرتا ہے۔ آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ آخرت میں کوئی بھی عمل چھوٹا یا غیر اہم نہیں ہوگا، اور ہر شخص انصاف کے ترازو میں تولا جائے گا۔ اس آیت کے تحت ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں:

> چھوٹے بڑے سب مردے خدا کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ سارے زمانوں کے بے ایمان لوگ ہیں۔ دو رقسم کی کتابیں "کھولی جاتی ہیں۔ کتاب حیات میں ان سب کے نام درج ہیں جن کا فدیہ میں کے خون سے دیا گیا ہے، جو مخلصی یافتہ ہیں۔ دوسری کتابوں میں خیر نجات یافتہ لوگوں کے اعمال کی تفصیل درج ہے۔ جو لوگ اس عدالت میں پیش ہوتے ہیں اُن میں سے کسی کا نام کتاب حیات میں درج نہیں۔ یہ حقیقت کہ ایک شخص کا نام اس کتاب میں موجود نہیں اسے مجرم ٹھہراتا ہے۔ مگر اُس کی سزا کے درجہ کا تعین اُسکے اعمال "کی تفصیل کے مطابق ہوتا ہے۔ [61]

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو عادلانہ طور پر تولیں گے اور کوئی بھی شخص کسی بھی طرح کا نقصان یا زیادتی نہیں سہے گا۔ یہ بیان کرتا ہے کہ دنیا میں ہونے والے ہر ظلم اور ناانصافی کا ازالہ آخرت میں مکمل انصاف کے ساتھ کیا جائے گا۔ ترازو کے ذریعے اعمال کا حساب کتاب نہ صرف ہر فرد کے لیے شفاف ہوگا بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بھی مکمل احاطہ کیا جائے گا، چاہے وہ اچھائی ہو یا برائی۔ قرآن میں ہے:

> اور قیامت کے دن ہم درست انصاف کے ترازو قائم کریں گے، پھر کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ [62]

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ہمارے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اس ترازو کی نوعیت کیا ہوگی۔ بہر حال وہ کوئی ایسی چیز ہوگی جو مادی چیزوں کو تولنے کے بجائے انسان کے اخلاقی اوصاف و اعمال اور اس کی نیکی و بدی کو تولے گی۔

اور ٹھیک ٹھیک وزن کر کے بتادے گی کہ اخلاقی حیثیت سے کس شخص کا کیا پایہ ہے۔ نیک ہے تو کتنا نیک ہے اور بد ہے تو کتنا بد۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہماری زبان کے دوسرے الفاظ کو چھوڑ کر "ترازو" کا لفظ یا تو اس وجہ سے انتخاب فرمایا ہے کہ اس کی نوعیت ترازو سے اشبہ ہو گی، یا اس انتخاب کا مقصد یہ تصور دلانا ہے کہ جس طرح ایک ترازو کے پلڑے دو چیزوں کے وزن کا فرق ٹھیک ٹھیک بتادیتے ہیں، اسی طرح ہماری میزانِ عدل بھی ہر انسان کے کارنامہ زندگی کو جانچ کر بے کم و کاست بتادے گی کہ اس میں نیکی کا پہلو غالب ہے یا بدی کا۔[63]

جنت اور ابدی نعمتیں

بائبل کی کتاب مکاشفہ میں آخرت کا منظر نہایت امید افزا اور تسلی بخش انداز میں بیان کیا گیا ہے، جہاں ایمان رکھنے والوں کے لیے کامل سکون اور ابدی خوشی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مکاشفہ 21:4 ایک ایسے مستقبل کی تصویر پیش کرتی ہے جہاں تمام دکھ، غم اور تکالیف ختم ہو جائیں گے، اور خدا اپنے بندوں کے دلوں سے ہر غم کا بوجھ ہٹادے گا۔ اس آیت میں ابدی نجات کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے جو انسانی امید کا سب سے روشن پہلو ہے —— ایسی زندگی جہاں موت، رنج والم اور درد ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں، اور ایک نیا، کامل اور پاکیزہ دور شروع ہو۔ ولیم میکڈونلڈ کہتے ہیں کہ

> اس آیت میں اللہ اس کے آنسو پونچھ دے گا اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ موت، ماتم اور درد چھین لے گا۔[64]

اہلِ ایمان کے لیے جنت ابدی کامیابی ہے، جہاں نہ صرف باغات اور نعمتیں ملیں گی بلکہ سب سے بڑھ کر اللہ کی خوشنودی نصیب ہو گی۔ اس آیت میں جنت کے مادی و روحانی انعامات کا ذکر کر کے یہ واضح کیا گیا ہے کہ سب سے بڑی کامیابی خالقِ کائنات کی رضا ہے۔ یہی وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو تمام انعامات سے برتر اور دائمی سکون کا سرچشمہ ہے، اور جس کے لیے اہلِ ایمان دنیا کی آزمائشوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ [65]

اس جنت کی کیفیت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو بگڑنے والا نہیں، اور دودھ کی نہریں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا، اور نہریں ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہو گی، اور نہریں صاف شہد کی، اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہوں اور اپنے رب کی بخشش۔

مولانا مودودی نے سورۃ محمدؐ کے ان حواشی میں جنت کی صفات کو نہایت تفصیل اور عملی مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے، تاکہ قاری کے ذہن میں جنت کی نعمتوں کی ایک واضح اور حقیقی تصویر اُبھر آئے۔ ان کے بیان کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

1. **صاف و شفاف پانی** —— جنت کے نہروں اور چشموں کا پانی دنیا کے گدلے پانی کی طرح کسی مٹی، ریت، نباتات یا بدبو سے ملا ہوا نہ ہو گا، بلکہ بالکل خالص، بے رنگ و بے بو اور شفاف ہو گا (غیر آسن پانی)۔
2. **خالص دودھ** —— جنت کا دودھ جانوروں کے تھنوں سے نکالا ہوا نہ ہو گا، بلکہ اللہ تعالیٰ زمین سے چشموں کی صورت میں پیدا کرے گا۔ اس میں دنیاوی دودھ کی معمولی سی بساند بھی نہ ہو گی، بلکہ ہمیشہ تازہ اور ذائقے میں یکساں ہو گا۔
3. **نشہ سے پاک شراب** —— جنت کی شراب دنیا کی طرح کشید یا خمیر شدہ نہ ہو گی بلکہ چشموں سے نکلے گی۔ یہ تلخ، بدبودار یا نقصان دہ نہ ہو گی، بلکہ صرف خوش ذائقہ، لذت بخش اور سرور پیدا کرنے والی ہو گی، اور پینے والے کی عقل یا صحت پر کوئی اثر نہیں ڈالے گی۔
4. **خالص شہد** —— جنت کا شہد مکھی کے چھتے سے نہیں بلکہ چشموں کی صورت میں نکلے گا، اس لیے اس میں موم، مکھیوں کے جسم کے ذرات یا گندگی شامل نہ ہو گی۔
5. **مغفرت کی سب سے بڑی نعمت** —— ان مادی نعمتوں کے ساتھ سب سے بڑی اور ابدی نعمت اللہ کی طرف سے مغفرت ہو گی، یعنی دنیا کی کوتاہیوں پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دیا جائے گا تاکہ جنت میں شرمندگی کا کوئی احساس نہ رہے۔[66]

جہنم اور عذاب

متی 25:41 میں یسوع مسیح کے بیان کردہ اُس منظر کا حصہ ہے جس میں قیامت کے دن آخری عدالت برپا ہوگی۔ یہاں بائیں طرف کھڑے لوگوں ــــ جو نافرمان اور گناہگار ہیں ـــ کو خداوند کے حضور سے دور کر کے اُس ابدی آگ میں بھیجنے کا حکم دیا جاتا ہے، جو خاص طور پر ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ تمثیل نہ صرف آخرت میں جزاو سزا کے عدلِ الٰہی کو واضح کرتی ہے بلکہ انسان کو گناہ، سرکشی اور شیطانی پیروی سے باز رہنے کی سخت تنبیہ بھی دیتی ہے۔ ولیم میکڈونلڈیوں بیان کرتے ہیں:

> ناراستوں کو حکم ہوتا ہے کہ ‹‹میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اُس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[67]

قرآن مجید میں کافروں کے انجام اور جہنم کی ہیبت ناک کیفیت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جو نہایت برا مقام ہے۔ جب انہیں اس میں ڈالا جائے گا تو وہ اس کی زبردست گرج اور خوفناک شور سنیں گے، اور وہ آگ جوش و غضب سے بھڑک رہی ہوگی۔ یہ منظر انسان کو خبردار کرتا ہے کہ کفر اور نافرمانی کا انجام کس قدر بھیانک اور ناقابل برداشت ہے، اور یہ کہ ایمان اور اطاعت ہی انسان کو اس انجام سے بچا سکتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

> "اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔[68]

تفہیم القرآن میں مولانا مودودی نے سورۃ الملک کے اس حاشیے اور دیگر مقامات پر جہنم کے عذاب کو نہایت مؤثر اور محسوس انداز میں بیان کیا ہے، تاکہ قاری پر اس کی ہیبت اور سنگینی واضح ہو جائے۔ ان کے بیان کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1. **شدید اور خوفناک آوازیں**ـــ لفظ شَہِیق (گدھے جیسی ہانپتی ہوئی آواز) کو استعمال کر کے یہ واضح کیا کہ جہنم سے نکلنے والی آواز یا تو خود اس کے جوش و غضب کی ہوگی، یا پھر اس میں پہلے سے موجود دوزخیوں کی چیخ و پکار۔ دونوں طرح کی آوازوں کی تائید قرآن کی دوسری آیات سے کی گئی ہے۔

2. **عذاب کا دوہرا منظر**—مولانا مودودی کے مطابق یہ آوازیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کے غیظ و غضب کی بھی ہوں گی اور وہاں جلتے بھڑکتے مجرموں کی چیخ وفریاد کی بھی، جو ہانپتے اور پھنکارے مارتے ہوئے عذاب سہہ رہے ہوں گے۔
3. **قرآنی ربط اور تفسیر کا استدلال**—وہ مختلف سورتوں کی آیات کو باہم ملا کر یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جہنم کا ماحول ایک ایسا مقام ہے جہاں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کا شور اور غضب سنائی دینے لگتا ہے، اور اندر پہنچ کر یہ شور مزید ہولناک ہو جاتا ہے۔
4. **خوف پیدا کرنے والا اسلوب**— تفہیم القرآن میں عذابِ جہنم کو صرف ایک نظریاتی بات کے طور پر نہیں، بلکہ ایک جیتی جاگتی اور ہولناک حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تاکہ قاری کے دل میں اس سے بچنے کی شدید خواہش پیدا ہو۔[69]

حاصل کلام

قرآن اور بائبل دونوں میں کلامی مباحث (عقائد) اہم حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان کی تعبیر و تشریح میں بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مولانا مودودی کی *تفہیم القرآن* میں عقائد کی وضاحت قرآن کی توحیدی، تنزیہی اور معروضی تعبیر کے مطابق کی گئی ہے، جبکہ ولیم میکڈونلڈ کی *تفسیر الکتاب* میں مسیحی الہیات، تثلیث، الوہیت مسیح، اور نجات کے مسیحی تصورات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس تحقیق میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ:

1. دونوں مذاہب میں خدا، آخرت، نجات، اور پیغمبروں کے بارے میں تعلیمات پائی جاتی ہیں، لیکن قرآن مجید اللہ کی الوہیت میں کسی شریک کے تصور کو مکمل طور پر رد کرتا ہے، جبکہ بائبل میں تثلیث اور الوہیتِ مسیح پر زور دیا جاتا ہے۔
2. اسلامی مفسرین وحی، نجات، اور آخرت کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں، جبکہ مسیحی مفسرین اپنے عقائد کو بائبل کے مختلف مقامات سے ثابت کرتے ہیں۔

3. تقابلی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں تفاسیر میں طرزِ استدلال، دلائل، اور مذہبی تناظر میں بنیادی فرق موجود ہے، جو ہر مذہب کے عقیدے اور فکری ڈھانچے کی عکاسی کرتا ہے۔

سفارشات

1۔**مزید تقابلی مطالعات** قرآن اور بائبل کی تفاسیر میں کلامی مباحث پر مزید تحقیقی اور تقابلی مطالعہ کیا جائے تاکہ دونوں مذاہب کے فکری و اعتقادی فرق اور اشتراکات کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا جا سکے۔

2۔**بین المذاہب مکالمہ** اس نوع کے تحقیقی کام کو بین المذاہب مکالمے (Interfaith Dialogue) میں بطور علمی مواد استعمال کیا جائے تاکہ مسیحی اور مسلم اہلِ علم ایک دوسرے کے موقف کو براہ راست اور مستند ذرائع سے سمجھ سکیں۔

3۔**اصل زبانوں کا مطالعہ** قرآن اور بائبل کے کلامی مباحث کو سمجھنے کے لیے ان کے اصل زبانوں (عربی، عبرانی، اور یونانی) میں مطالعہ کو فروغ دیا جائے تاکہ مترجمین کی تعبیرات سے پیدا ہونے والے ابہام کو کم کیا جا سکے۔

4۔**عصری تناظر میں تشریح** مفسرین کے دلائل کو عصرِ حاضر کے فکری، سائنسی، اور فلسفیانہ مباحث کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا جائے تاکہ یہ تحقیقات جدید ذہن کے لیے بھی قابلِ فہم اور مؤثر ہوں۔

5۔**اکیڈمک ورکشاپس** جامعات اور تحقیقی اداروں میں *تفہیم القرآن* اور *تفسیر الکتاب* جیسے اہم مراجع پر ورکشاپس منعقد کی جائیں تاکہ طلبہ اور محققین ان کے طرزِ استدلال اور فکری پس منظر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

6۔**کلامی موضوعات کی درجہ بندی** قرآن و بائبل میں موجود کلامی موضوعات کو الگ الگ درجہ بندی کر کے پیش کیا جائے (مثلاً: عقیدۂ خدا، نبوت، وحی، آخرت، نجات) تاکہ محققین کو موضوع وار موازنہ کرنے میں آسانی ہو۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات و حواشی (References)

[1] پیدائش 2:2

Pedaish 2:2

[2] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (پیدائش-استثنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، یحیٰ اشاعت خانہ: لاہور، 2000ء، ص: 31

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Pedaish - Istasna), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2000, s.31

[3] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن: لاہور، 2017ء، 194/1

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, Idara Tarjuman-ul-Qur'an: Lahore, 2017, 1/194

[4] ایوب 19:26-27

Ayub 19:26-27

[5] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (ایوب-زبور)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2004ء، ص:36-35

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Ayub - Zaboor), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2004, s.35-36

[6] انعام 6:103

Al-An'aam 6:103

[7] الشوری 42:51

Ash-Shura 42:51

[8] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 516/4

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 4/516

[9] امثال 1:7

Amsaal 1:7

[10] متی 10:28

Matti 10:28

[11] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (متی-مرقس)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2002ء، ص:115

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Matti - Markus), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2002, s.115

[12] فاطر 35:28

Fatir 35:28

[13] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 232/4

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 4/232

[14] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (یسعیاہ-دانیال)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2025ء، ص:70

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Yasaya - Daniyal), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2025, s.70

15 الشوریٰ42:11

Ash-Shura 42:11

16 مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 485/4

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 4/485

17 ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2002ء، ص:242-240

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2002, s.240-242

18 مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 429-428/1

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 1/428-429

19 ایضا، 490-491/1

Aiza, 1/490-491

20 ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (یسعیاہ-دانیال)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:30

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Yasaya - Daniyal), Tarjuma: Jacob Samuel, s.30

21 ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:240

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.240

22 مریم91-88:19

Maryam 19:88-91

23 سورہ الزمر4:39

Az-Zumar 39:4

24 مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، 358/4

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 4/358

25 ایضا، 359-358/4

Aiza, 4/358-359

26 فلپیوں6:2

Filipiyon 2:6

[27] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (فلپیوں-فلیمون)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2001ء، ص:27

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Filipiyon - Filemon), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2001, s.27

[28] مریم 30:19

Maryam 19:30

[29] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 358/4

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 4/358

[30] لوقا 35:1

Luqaa 1:35

[31] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:18

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.18

[32] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 490/1

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 1/490

[33] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:240

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.240

[34] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 490/1

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 1/490

[35] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (عبرانیوں-مکاشفہ)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2000ء، ص:15

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Ibraniyon - Mukashfa), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2000, s.15

[36] النساء 157:4

An-Nisaa 4:157

[37] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 421-420/1

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 1/420-421

[38] اعمال 11-9:1

A‘maal 1:9-11

[39] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (اعمال-رومیوں)، ترجمہ: جیکب سیموئل، مسیحی اشاعت خانہ: لاہور، 2003ء، ص:16

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (A'maal - Roomiyon), Tarjuma: Jacob Samuel, Masihi Ashaat Khana: Lahore, 2003, s.16

[40]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 421-420/1

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 1/420-421

[41] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (پیدائش-استثناء)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:315-316

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Pedaish - Istasna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.315-316

[42] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 460-459/5

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 5/459-460

[43]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:421

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.421

[44]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 465-464/5

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 5/464-465

[45]متی 18:5

Matti 5:18

[46]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (متی-مرقس)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:60-61

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Matti - Markus), Tarjuma: Jacob Samuel, s.60-61

[47]سورہ الحجر 9:15

Al-Hijr 15:9

[48]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 499/2

Maududi, Syed Abul A'la, Tafheem-ul-Qur'an, 2/499

[49]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (ایوب-زبور)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:338-339

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Ayub - Zaboor), Tarjuma: Jacob Samuel, s.338-339

[50]انبیاء 19:21

Al-Anbiya 21:19

[51]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 153-152/3

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 3/152-153

[52]حزقی ایل28:14-17

Hizqiyel 28:14-17

[53]یسعیاہ14:12-15

Yasaya 14:12-15

[54]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب(یسعیاہ-دانیال)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:37

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Yasaya - Daniyal), Tarjuma: Jacob Samuel, s.37

[55]الکہف18:50

Al-Kahf 18:50

[56]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 3/30

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 3/30

[57]یوحنا5:28-29

Yohanna 5:28-29

[58]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب(لوقا-یوحنا)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:303-304

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Luqaa - Yohanna), Tarjuma: Jacob Samuel, s.303-304

[59]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 3/204-205

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 3/204-205

[60]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 3/205-206

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 3/205-206

[61]ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب(عبرانیوں-مکاشفہ)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:443

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Ibraniyon - Mukashfa), Tarjuma: Jacob Samuel, s.443

[62]انبیاء21:47

Al-Anbiya 21:47

[63]مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 3/162

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 5/22-23

[64] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (عبرانیوں-مکاشفہ)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:443

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Ibraniyon - Mukashfa), Tarjuma: Jacob Samuel, s.443

[65] محمد 47:15

Muhammad 47:15

[66] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 5/22-23

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 5/22-23

[67] ولیم میکڈونلڈ، تفسیر الکتاب (متی-مرقس)، ترجمہ: جیکب سیموئل، ص:244

Wiliam McDonald, Tafseer al-Kitab (Matti - Markus), Tarjuma: Jacob Samuel, s.244

[68] ملک 67:6-7

Al-Mulk 67:6-7

[69] مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن، 6/44-45

Maududi, Syed Abul A‘la, Tafheem-ul-Qur’an, 6/44-45